دورِ حاضر میں دارالاسلام و دارالحرب کا تصور

کاشف بلال*

محمد اعجاز**

کرۂ ارض پر بسنے والے انسان دو قسموں پر منقسم ہیں، ایک ''مسلم'' اور دوسرے ''غیر مسلم''۔اسی طرح اسلام دنیا کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک ''دارالاسلام'' اور دوسرے ''دارالحرب''۔فقہائے کرام نے بھی پوری دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔دارالاسلام ۲۔دارالحرب

قیل اَلدَّارُ عندنا دارالاسلام و دارالحرب (۱)

''کہا جاتا ہے کہ احناف کے یہاں دار کی دو قسمیں ہیں، دارالاسلام اور دارالحرب''۔

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ ''دارالاسلام'' اور ''دارالحرب'' کی اصطلاح خالص فقہی اصطلاح ہے، کتاب اللہ اور احادیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ یہ اصطلاح استعمال نہیں کی گئی، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آئمہ مجتھدین اور فقہاء متقدمین کے یہاں بھی عام طور پر حدود و قیود کے ساتھ ان اصطلاحات پر بحث نہیں کی گئی۔فقہاء کی تحریروں سے محض یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جن ممالک پر مسلمانوں کو سیاسی بالادستی حاصل تھی، ان کو فقہاء ''دارالاسلام'' یا ''دارنا'' سے تعبیر کرتے، اور جن ممالک پر اہل کفر کا اقتدار تھا یا جو اہل اسلام سے برسرِ پیکار تھے ان کو کہیں ''دارالکفر'' اور کہیں ''دارالحرب'' کہہ دیتے۔اس زمانے میں نظام ہائے حکومت میں وہ تنوّع غالباً نہیں تھا جو آج ہے، آج مختلف ممالک میں مسلمان کہیں مذہبی اور سیاسی اقلیت کی حیثیت سے اور کہیں یہود و نصاری کے عسکری تسلطّ کی وجہ سے محکومیت و مغلوبیت کی زندگی گزار رہے ہیں، اور کہیں یہود و نصاری کے ساتھ حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔آج مسلمانوں کی حکمرانی بھی ''جمہوریت'' کی صورت میں محکومیت و مغلوبیت ہی ہے۔فقہاء متقدمین اس سے دوچار نہ تھے، اس لیے دارالاسلام اور دارالحرب ایسی زندہ حقیقتیں تھیں کہ ان کی منطقی تحدید اور اصطلاحی تعریف کی ضرورت نہ تھی۔البتہ فقہائے کرام نے پوری دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک ''دارالاسلام'' اور دوسرا ''دارالحرب''۔اس تقسیم کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام دنیا میں خالق کائنات کے ابدی احکام کے نفاذ کے لیے سعی مسلسل کا حکم دیتا ہے۔جو علاقے ان احکام کی تنفیذ کے لیے تیار ہوجائیں وہ دارالاسلام بن

---

*ایم فل اسکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

جاتے ہیں۔ اور جو علاقے مشیت الٰہی کے تحت کفر کے تسلط میں رہ جائیں اور ہنوز اطاعت الٰہیہ کے لیے تیار نہ ہوں وہ دارالحرب کہلاتے ہیں۔ یہ تو ان اصطلاحات کے پس منظر کو سامنے رکھ کر ایک عامیانہ سی تفہیم وتعریف ہے۔ باقی فقہاء نے ان اصطلاحات پر کافی بحث کی ہے۔ ذیل میں فقہاء کی بیان کردہ تعریفات نقل کی جاتی ہیں۔

دارالاسلام کی تعریف:

دارالاسلام وہ ملک ہے جس کا اقتدارِاعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہو،شریعت اسلام کے احکام و قوانین نافذ ہوں،حدود وتعزیرات کا اجراء ہو،نظامِ مملکت شرعی اصولوں پر قائم ہو اور پورے ملک پر شریعت کا غلبہ ہو۔

علامہ کاسانی اس کرہ ارض کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں جہاں مسلمانوں کو مطلقاً امن اور کافروں کو مطلقاً خوف حاصل ہو،ان کے یہاں امن اور خوف کا اعتبار ہے،غلبہ اسلام کا اعتبار نہیں ہے۔

" ان الامان ان کان للمسلمین فیھا علی الاطلاق و الخوف للکفرۃ علی الاطلاق فھی دارالاسلام" (۲)

"وہ جگہ جہاں مسلمانوں کو مطلقاً امن حاصل ہو اور کافروں کو مطلقاً خوف حاصل ہو وہ دارالاسلام ہے"۔

المراد بدار الاسلام: بلاد یجری فیھا حکم امام المسلمین، ویکون تحت قھرۃ (۳)

"دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور ان کے زیر تسلّط ہو"۔

علامہ قہستانیؒ کے نزدیک دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کے حکمران کے فرامین پر عمل ہوتا ہو۔

"دارالاسلا م ما یجری فیه حکم امام المسلمین" (۴)

"دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کے حاکم کا فرمان جاری ہو"۔

"وذکر فی الزاھدی انھا ما غلب فیه من المسلمین و کا نوفیه آمنین" (۵)

"اور زاہدی میں مذکور ہے کہ جس جگہ مسلمانوں کا غلبہ ہو اور مسلمان وہاں امن سے رہتے ہوں وہ دارالاسلام ہے"۔

صاحب شرح السیر الکبیر نے دارالاسلام کی تعریف کرتے ہوئے اس کی علامت یہ بتلائی ہے کہ مسلمان اس ملک میں مامون ہوں اور ان کو جانی، مالی وایمانی تحفظ حاصل ہو۔

"فان دارالاسلام اسم لموضع الذی یکون تحت ید المسلمین وعلامة ذٰلک ان یامن فیه المسلمون" (٦)

’’دارالاسلام اس جگہ کو کہیں گے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ مسلمان وہاں امن سے ہوں‘‘۔

فقہاء نے ایسے ملک کو بھی حکماً دارالاسلام قرار دیا ہے جہاں مسلمانوں کو سماجی و عائلی قوانین میں خودمختاری حاصل ہو، مسلمانوں نے وہاں جمعہ وعیدین کا نظام قائم کیا ہوا ہو، خراج وصول کرنے، قاضیوں کو مقرر کرنے اور لاوارث غیر منکوحہ عورتوں کے نکاح کرنے کے لیے اقتدارِ اعلی کی طرف سے مسلمانوں کا اپنا سربراہ مقرر ہو۔ اگرچہ مسلمانوں کو وہاں کلّی اقتدار حاصل نہ ہو، امورِ خارجہ و بین الاقوامی تعلقات میں وہ خودمختار نہ ہوں، فوجی اختیارات بھی ان کو حاصل نہ ہوں اور جرم وسزا کے قوانین بنانے میں بھی وہ آزاد نہ ہوں۔

’’کل مصر فیه والمسلم من جهة الکفار یجوز منه اقامة الجمع و الاعیاد و اخذ الخراج و تقلید القضاء و تزویج الایامی‘‘ (۷)

سید محمد میاں لکھتے ہیں:

’’وہ ملک جہاں حکومت کا مذہب اسلام ہو، مسلمانوں کو کلّی طور پر اقتدارِ اعلی حاصل ہو، وہ اپنی آزادانہ رائے سے جو قانون چاہیں بنائیں اور جس قانون کو چاہیں منسوخ کر دیں وہ دارالاسلام ہے۔‘‘ (۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے یوں تعریف کی ہے۔

وہ مملکت جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی مؤقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام اسلامی کے نفاذ پر قادر رہوں۔ (۹)

فقہاء کی مندرجہ بالا تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک دارالاسلام کہلاتا ہے جہاں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہو، شریعت کے احکام وقوانین مثلاً حدود وقصاص اور تعزیرات وغیرہ کا نفاذ ہو، شعائرِ اسلام کی آزادی ہو اور مسلمان کو جانی، مالی و ایمانی تحفظ حاصل ہو۔

دارالاسلام کے احکام:

دارالاسلام کے احکامات کی ایک طویل فہر ہے جس کو فقہاء نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ چند احکام درج ذیل ہیں:

۱۔ دارالاسلام کے حکّام اور رعایا پر لازم ہے کہ وہ ان کمزور مسلمانوں کی امداد کریں جو کسی دوسرے ملک میں محض مسلمان ہونے کی بنا پر ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں اور ضرورت ہو تو ان کو نجات دلانے کے لیے فوجی طاقت بھی استعمال کریں۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ...... وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (۱۰)

۲۔ دارالاسلام کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ احکام اسلام جاری کریں اور شریعت کے مطابق قانون بنائیں ورنہ ان کا شمار ظالموں اور فاسقوں میں ہوگا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (۱۱)

۳۔ دارالاسلام کے حکّام اور رعایا پر لازم ہے کہ وہ دشمنوں کو متاثر اور مرعوب رکھنے کے لیے اسلحہ اور فوجی قوت حاصل کریں۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ......... وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (۱۲)

۴۔ دارالاسلام کے مسلمانوں کو اقدامی صلاحیت رکھنی چاہیے تاکہ ہمسایہ ممالک ان کو محسوس کرتے رہیں اور ان کا لوہا مانتے رہیں اور دفاعی حیثیت میں نہیں رہنا چاہیے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ (۱۳)

۵۔ دارالاسلام میں مقیم یہود و نصاریٰ از سرِ نو اپنا عبادت خانہ تعمیر نہیں کر سکتے۔ (۱۴)

۶۔ قدیم عبادت خانے کے منہدم ہونے کی صورت میں اسی جگہ نیا عبادت خانہ تعمیر کر سکتے ہیں، اسے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے۔ (۱۵)

۷۔ دارالاسلام کی طرف امان لے کر آنے والے دارالکفر کے باشندے کو اسلامی مملکت کی حدود میں ایک سال سے کم مدت تک قیام کرنے کا اختیار ہوگا، ایک سال تک قیام کرنے کی صورت میں اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ (۱۶)

۸۔ دارالاسلام کے کسی مسلمان کو زمانہ جنگ میں دارالحرب میں قیام کرنا جائز نہیں کہ جس سے دشمنوں کو قوت پہنچے اور خود اس کے لیے بھی خطرہ ہو۔ (۱۷)

۹۔ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں۔ (۱۸)

۱۰۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت و توسیع کے لیے لشکر تیار ہو جو جہاد کا فریضہ سرانجام دے۔ (۱۹)

دارالحرب کی تعریف:

دارالحرب وہ ملک ہے جس کا اقتدارِ اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہو، کفر اور شرک کے احکام جاری ہوں، مسلمانوں کو

امن اور شعائر اسلام کی آزادی حاصل نہ ہو۔علامہ کاسانی دارالاسلام کی طرح دارالحرب اس کرہ ارض کو قرار دیتے ہیں جہاں مسلمانوں کو مطلقاً خوف اور کافروں کو مطلقاً امن حاصل ہو، یہاں بھی غلبہ کفر کا انہوں نے اعتبار نہیں کیا۔

”وان کان الامان فیھا للکفرة علی الاطلاق و الخوف للمسلمین علی الاطلاق فھی دارالکفر“(۲۰)

”وہ جگہ جہاں مسلمانوں کو مطلقاً خوف اور کافروں کو مطلقاً امن حاصل ہو وہ دارالکفر ہے“۔

”ودارالحرب: مایغلب فیھا حکم الکفر“ (۲۱)

”اوردارالحرب وہ ہے جہاں کفار کا حکم غالب ہو“۔

”ودارالحرب ما یجری فیه اموررئیس الکا فرین“ (۲۲)

”اوردارالحرب وہ ملک ہے جس میں کافروں کے سردار کا حکم چلتا ہو“۔

”و بدار الحرب: بلاد یجری فیھا امر عظیمھا، ویکون تحت قھرة“ (۲۳)

”اوردارالحرب سے مراد وہ ملک جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے پاس ہو“۔

”ودارالحرب ما خا فو افیه من الکا فرین.“(۲۴)

”اور جس جگہ مسلمان کفار سے اپنے جان ومال کا خوف رکھتے ہوں وہ دارالحرب ہے“۔

”دارالحرب : ھی البلاد التی لیس للمسلمین علیھا ولایة و سلطان، و لا تقام فیھا اکثر شعائرالاسلام“ (۲۵)

”وہ ملک جہاں مسلمانوں کو حکومت اور بادشاہت حاصل نہ ہو اور اس میں شعائر اسلام قائم نہ کر سکتے ہوں، دارالحرب کہلاتا ہے“۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ فقہاء کی مذکورہ بالا تعریفات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دارومدار غلبہ اور تسلط پر ہے۔

”غرض از نقل ایں عبارات ایں ست کہ مدار بودن در کفر واسلام بر غلبہ کفر واسلام ست وبس۔“(۲۶)

”ان عبارات کے نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار صرف اور صرف اسلام یا کفر کے غلبہ پر ہے۔“

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے۔

”عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حرب (لڑائی) واجب ہو، سو اس معنی کو تو ہندوستان

دار الحرب نہیں، کیونکہ یہاں آپس کے معاہدہ کی وجہ سے حرب (لڑائی) درست نہیں۔" (۲۷)

نیز مولانا نے لکھا ہے کہ شرعی اصطلاح میں دار الحرب کی تعریف یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات (علامات) ہیں۔(۲۸)

مولانا مودودیؒ کے نزدیک دار الحرب سے مراد ایسا ملک ہے جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہو، جس سے سلطنت اسلامی کی مسلم رعایا کے افراد حالتِ جنگ میں بطورِ خود امان لے کر غیر معاندانہ کاروبار کے لیے جائیں۔(۲۹)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے یوں تعریف کی ہے۔

"جہاں کافروں کو امن اور مسلمانوں کو بے امنی حاصل ہو۔ نیز مسلمان اعلانیہ حقوق وعبادات سے قاصر ہوں۔ دار الاسلام سے اتصال وعدم اتصال کی بات فی زمانہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" (۳۰)

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فقہاء کے ہاں غلبے کا اعتبار ہے، بعض کے ہاں امن وخوف کا اعتبار ہے اور بعض کے ہاں اقتدارِ اعلیٰ کا اعتبار ہے۔

دار الحرب کی اقسام:

دار الحرب کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ دار الحرب کامل ۲۔ دار الحرب ناقص

۱۔ دار الحرب کامل: وہ دار الحرب جس میں نہ مسلمانوں کو سیاسی قوت حاصل ہو، اور نہ ان کے شعائرِ دینی محفوظ ہوں۔

۲۔ دار الحرب ناقص: وہ دار الحرب جس میں مسلمانوں کو اگرچہ سیاسی قوت حاصل نہ ہو لیکن شعائرِ دینی محفوظ ہوں۔

پہلی قسم کے دار الحرب میں ہنگامی حالات کے قانون نافذ ہوں گے یعنی مسلمانوں کو حربی عوام اور حکومت سے بدعہدی وخیانت کے بغیر مالیات میں جوا، سود اور تمام عقودِ فاسدہ کی اجازت ہوگی۔

دوسری قسم کے دار الحرب میں اجازت دو طرح سے محدود ہوگی:

(الف) صرف حکومت سے معاملات میں اجازت ہوگی، عوام سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

(ب) صرف ان معاملات میں اجازت ہوگی جن کی معاشی استحصال پر قابو پانے اور قومی مورال برقرار رکھنے میں ضرورت ہوگی، تمام عقودِ فاسدہ سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔(۳۱)

دار الحرب کے احکام:

دار الحرب کے احکامات بھی بہت مفصل اور کثیر ہیں۔ امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع

میں اورعلامہ السرخسیؒ نے المبسوط میں ان کا احاطہ کیا ہے، ذیل میں چند احکام نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ دارالحرب میں تاجر ایسی چیز نہ لے کر جائیں جو جنگ میں اہلِ حرب کی مدد کے مترادف ہو جیسے گھوڑا، غلام، اسلحہ وغیرہ (۳۲)

۲۔ دارالحرب میں اسلام کا قانون جرم وسزا جاری نہ ہوگا، کیونکہ امام دارالحرب میں حدود کو نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ (۳۳)

۳۔ مسلمان زوجین میں سے ایک دارالاسلام سے دارالحرب ہجرت کر جائے یا دارالحرب سے دارالاسلام میں توطن اختیار کرلے تو ''تباینِ دارین'' کی وجہ سے دونوں میں تفریق ہو جائے گی۔ (۳۴)

۴۔ دارالحرب میں مقیم کسی مسلمان کو دوسرا مسلمان قتل کر دے اور وہ دارالاسلام میں بھاگ آئے تو یہاں اس پر قانون قصاص جاری نہ ہوگا۔ (۳۵)

۵۔ دارالحرب کے باشندوں سے اسلحہ کی فروخت درست نہ ہوگی۔ (۳۶) امام مالکؒ کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے۔ (۳۷)

۶۔ ایسا ہتھیار جو لڑائی یا لڑائی کے علاوہ بھی دوسرے کاموں میں استعمال ہوتا ہو، اور ہر طرح کا اسلحہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، دارالحرب لے جانا منع ہے۔ (۳۸)

۷۔ جس لوہے سے ہتھیار بنائے جاتے ہوں ان کا بھی دارالحرب لے جانا جائز نہیں۔ (۳۹)

۸۔ دارالحرب کے سفر پر قرآن کریم کو ساتھ لے جانے کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر لشکر بڑا ہے اور یقین ہے کہ قرآن مجید کفار کے ہاتھ نہ لگے گا اور بے حرمتی نہ ہوگی تو لے جاسکتے ہیں ورنہ نہیں، اسی طرح عورتوں کو دارالحرب میں بڑے لشکر کے ساتھ لے جاسکتے ہیں کیونکہ کھانا پکانے اور کپڑے دھونے کی ضرورت پیش آئے گی بصورتِ دیگر مکروہ ہے۔ (۴۰)

۹۔ دارالحرب میں مسلمانوں کے لیے بہت سے احکامات میں لاعلمی اور ناواقفیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ یعنی دارالحرب میں جہل عذر ہے۔ (۴۱)

۱۰۔ حربی کسی صورت میں بھی مسلمان یا ذمّی کے مال کا مالک نہیں بن سکتا، سوائے اس کے کہ مسلمان یا ذمّی اپنا مال کافر حربی کو ہبہ کر دے یا کافر ذمّی کی وراثت اس حربی کو ملے یا کوئی اور ایسا معاملہ ہو جو دین اسلام میں بھی صحیح سمجھا جاتا ہو۔ (۴۲)

دار کی دیگر اقسام:

۱۔ دارالامن ۲۔ دارالبغی ۳۔ دارالموادعۃ یا دارالصلح

۱۔ دارالامن:

دارالامن ایک جدید اصطلاح ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہاء متقدمین کی تصانیف میں اس کا ذکر نہیں ملتا، لیکن اس کا تصور ضرور موجود ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں حبشہ کا ملک اسی قسم میں داخل تھا۔ جبکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالامن، دارالکفر کی ایک قسم ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ''دارالامن'' کو دارالکفر کی اقسام میں شمار نہیں کیا بلکہ دار کی اقسام میں مستقل قسم بتایا ہے اور ''دارالامن'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جہاں مسلمان مامون ہوں، کلید اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو لیکن مسلمان مامون ہوں، ایسے احکامِ اسلام جن کے لیے اقتدار ضروری نہیں، انجام دے سکتے ہوں اور مسلمانوں کو دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ایسے دار کو ''دارالامن'' کہیں گے۔ امن کے باوجود اگر کفار کا ایک گروہ غیر آئینی طور پر مسلمانوں پر حملے کرتا ہو اور فسادات کرتا ہو تو یہ دارالامن کے منافی نہیں۔ ہاں اگر آئینی طور پر مسلمانوں کو امن نہ حاصل ہو تو پھر یہ ملک دارالحرب کے زمرے میں آئے گا۔ دارالامن سے مسلمانوں پر ہجرت واجب نہیں ہے۔

نیز مولانا نے لکھا ہے کہ کمیونسٹ بلاک کے وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو مذہبی حقوق حاصل نہیں ہیں نیز وہ ممالک جو مطلقاً مذہب ہی کے معاند ہیں نیز وہاں مسلمان اپنا مذہبی تشخص برقرار نہیں رکھ سکتے وہ ممالک دارالحرب ہیں اور جہاں جمہوری حکومتیں قائم ہیں، پھر یا تو ملک کا کوئی مذہب ہی نہیں یا رہنے والی تمام قومیں اپنے اپنے مذہب میں عمل کرنے پر آزاد ہیں جیسے امریکہ اور برطانیہ، وہ دارالامن میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ (۴۳)

دارالامن کے احکام:

۱۔ دارالامن میں اسلامی حدود وقصاص جاری نہ ہوں گے۔

۲۔ دارالامن کے مسلمانوں کے معاملات دارالاسلام کی عدالت میں فیصل نہ ہوں گے۔

۳۔ یہاں کے مسلمانوں پر ہجرت واجب نہ ہوگی۔

۴۔ یہاں کی دفاعی قوت میں اضافہ اور مدد مسلمانوں کے لیے درست ہوگا، بشرطیکہ وہ ملک کسی مسلم ملک سے برسرِ پیکار نہ ہو۔

۵۔ احکام شرع سے ناواقفیت اور جہل کے معاملہ میں یہاں کے مسلمان معذور نہ ہوں گے۔

۶۔ مسلمان زوجین میں سے ایک دارالامن سے دارالاسلام چلا جائے تو ''تباینِ دارین'' کی وجہ سے دونوں میں تفریق نہ ہوگی، کیونکہ صلح وامن کی فضا کی وجہ سے آمد ورفت اور حقوق زوجیت کی تکمیل ممکن ہے۔(۴۴)

۷۔ دارالامن کے غیر مسلم کو حربی کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔(۴۵)

۲۔ دارالبغی:

مسلمانوں کا کوئی گروہ اسلامی ریاست اور امام برحق کے خلاف کسی تاویل اور توجیہ کی بنیاد پر بغاوت کردے، اس کے پاس فوج اور اقتدار بھی ہو اور وہ ریاست ہی میں کسی جگہ اپنی حکومت قائم کرلے تو اسے ''دارالبغی'' کہا جائے گا۔

''وهم فرقة مسلمون مخالفون لامام العادل (۴۶) ''مسلمانوں کا وہ گروہ جو امام عادل کی مخالفت کرے''۔

هم مخالفوا الامام بخروج عليه و ترک الانقياد'' (۴۷)

''وہ گروہ جو امام کی مخالفت میں نکل کھڑا ہو اور امام کو ناپسند کرے''۔

اس گروہ کو سمجھایا جائے گا اور ان کے شبہات دور کیے جائیں گے، لیکن اگر وہ جنگ کرے تو مقابلہ کیا جائے گا اور بغاوت ختم کی جائے گی۔

۳۔ دارالموادعۃ یا دارالصلح:

وہ ملک جس کا دارالاسلام سے امن و امان کے ساتھ رہنے اور قتال نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اسے ''دارالموادعۃ یا دارالصلح'' کہا جاتا ہے۔

''الموادعة و هی المعاهدة و الصلح علی ترک القتال'' (۴۸)

''وہ ملک جس نے دارالاسلام سے صلح کے ساتھ رہنے اور قتال نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہو''۔

امام المسلمین کو اہل حرب سے صلح کا معاہدہ کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ اسلام امن کا خواہاں ہے اور بلاوجہ جنگ اور قتال نہیں چاہتا۔

''و اذا رأی الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقا منهم و کان فی ذالک مصلحة للمسلمین فلا بأس به'' (۴۹)

''جب امام المسلمین دیکھے کہ اہل حرب یا اہل حرب میں سے کسی فریق سے معاہدہ امن وصلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے تو اس کو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

مولانا جلال الدین عمری نے معاہدہ وصلح کی دوصورتیں لکھی ہیں:

۱۔ کسی غیر اسلامی ملک سے اسلامی ریاست اس بات کا معاہدہ کرے کہ اس کی زمینوں پر اسلامی ریاست کا قبضہ ہوگا، البتہ وہ اس کے باشندوں ہی کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ اسلامی ریاست کو خراج ادا کریں گے۔

۲۔ اسلامی ریاست کسی غیر اسلامی ریاست سے یہ معاہدہ کرے کہ قبضہ وملکیت اس کے باشندوں ہی کی ہوگی اور وہ اسلامی ریاست کو خراج ادا کریں گے۔

پہلی صورت پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ دوسری صورت میں بعض جواز اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں۔(۵۰)

دارالاسلام ودارالحرب کی رعایا:

دارالاسلام ودارالحرب کی رعایا اوران کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاحات درج ذیل ہیں:

ذمّی:

مسلم معاشرے میں موجود غیر مسلم شہریوں کو ''ذمّی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔فقہاء کی اصطلاح میں ان کے لیے ''اهل الذمة'' کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔(۵۱)

لفظ ''الذمة'' کے معنٰی ''عہد وپیمان، ضمانت اور امان'' کے ہیں۔لسان العرب میں ہے:

سمی اهل الذمة ذمة لدخولهم فی عهد المسلمین و امانهم(۵۲)

''اہل ذمہ کو ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد وپیمان اور امان میں داخل ہیں''۔

ان لوگوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ ،اس کے رسول اور مسلمانوں کا ایسا معاہدہ ہے جو انہیں اسلامی معاشرے میں اسلام کے زیرسایہ محفوظ ومطمئن زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔معاہدہ ذمّہ ایک دائمی معاہدہ ہے جس کی رو سے غیر مسلم اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں اور انہیں وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو معاصر ریاست کی جانب سے رعایا کو شہریت ملنے پر دیے جاتے ہیں۔

مسلم مستامن:

دارالاسلام کا وہ مسلم باشندہ جو بغرض تجارت یا کسی اور کام سے امان لے کر دارالحرب جائے اسے ''مسلم مستامن'' کہتے ہیں۔(۵۳)

اس کے لیے حربیوں کے اموال ونفوس سے تعرض کرنا جائز نہیں۔

''اذادخل المسلم دارالحرب تاجراً فلا یحل له ان یتعرض من اموالهم ولامن دمائهم'' (۵۴)

''جب مسلمان تاجر کی حیثیت سے دارالحرب میں داخل ہوتو اس کے لیے حربیوں کے اموال ونفوس سے تعرض کرنا جائز نہیں''.

کافر حربی:

وہ کافر جو دار الحرب کا باشندہ ہو اور جس سے مسلمانوں کی بالفعل جنگ ہو۔ اس کو ''کافر اصلی'' بھی کہا جاتا ہے۔(۵۵)

مسلم حربی:

وہ مسلمان جو دار الحرب میں اسلام قبول کرلے اور دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کرے اسے ''مسلم حربی'' کہتے ہیں۔

''والمسلم الذی اسلم فی دار الحرب ولم یهاجر الینا'' (۵۶)

مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں کہ وہ شخص جو دار الحرب میں مسلمان ہوا، اسے ''مسلم حربی'' کہتے ہیں۔(۵۷)

حربی مستامن:

دار الحرب کا وہ باشندہ جو امان لے کر دار الاسلام آئے اسے ''حربی مستامن'' کہتے ہیں۔(۵۸)

مسلم اصلی:

دار الحرب کا وہ باشندہ جو دار الحرب میں آنے سے قبل خود یا تبعاً للآباء اسلام قبول کرچکا ہو۔(۵۹)

مفتی عبدالواحد صاحب نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان شخص جسے دار الحرب میں مستقل سکونت کی اجازت مل گئی ہو یا جس دار الاسلام کا وہ پہلے باشندہ تھا وہ دار الحرب میں تبدیل ہوگیا ہو۔(۶۰)

مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے کہ کفار کی پانچ اقسام ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکامات ہیں۔

۱۔ باج گزار: وہ کفار جو اسلامی حکومت کو خراج دیتے ہوں اور جن کو اپنے ملک میں احکامِ کفر جاری کرنے کی آزادی حاصل ہو، ان کا ملک اگرچہ دار الکفر ہے، مگر دار الحرب نہیں، ان کے اموال، نفوس اور اعراض سے مولانا کی نظر میں تعرض نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ معاہدین: وہ کفار جن سے دار الاسلام کا معاہدہ ہو۔ ان کے متعلق بھی حکم یہی ہے کہ اگرچہ نظری حیثیت سے حربی ہیں اور ان کے ملک پر دار الحرب کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر معاہدہ کی وجہ سے ان کے جان و مال مباح نہیں ہیں۔

۳۔ غیر معاہدین: وہ کفار جن سے معاہدہ نہ ہو گویا کسی وقت بھی جنگ کی نوبت آسکتی ہے۔ یہ ایسی حالت ہے کہ اگر اسلامی ریاست ان سے جنگ کرے یا اسلامی ریاست کا کوئی فرد ان کے جان و مال کو نقصان پہنچائے تو حنفیہ کے نزدیک اس پر ضمان لازم نہیں آئے گا تاہم گنہگار ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں ضمان لازم آئے گا۔ مولانا موصوف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعلان جنگ سے پہلے ان کے اموال بھی ہمارے لیے مباح نہیں۔

۴۔ اہل غدر: وہ کفار جو معاہدہ کے باوجود معاندانہ رویّہ اختیار کریں۔ ایسی صورت میں نقضِ معاہدہ کیا جائے اور انہیں مطلع بھی کردیا جائے۔ معاہد قوم کی بدعہدی کے باوجود اعلانِ جنگ سے پہلے ان کے نفوس و اموال مباح نہیں ہیں۔

۵۔محاربین: یہ وہ کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی بالفعل جنگ ہو، اصل حربی یہی ہیں انہی کے دار کو تعلقات خارجیہ کے اعتبار سے دارالحرب کہا جاتا ہے۔ یہی وہ ''حربی'' ہیں جن کے اموال ونفوس مباح ہیں اور انہی کو قتل کرنا، گرفتار کرنا، لوٹنا اور مارنا شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔(۶۱)

دارالحرب اور دارالکفر کا اصطلاحی فرق:

''دارالاسلام'' کے مقابل ملک کے لیے ''دارالحرب'' کی اصطلاح زیادہ معروف ہے، کتابوں میں بکثرت اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ کشمکش اور متزلزل حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ورنہ دارالاسلام کا مقابل لفظ اصلاً ''دارالکفر'' ہی ہے، کیونکہ مقابلہ اسلام اور کفر کی بنیاد پر ہے، جہاں اسلام کا غلبہ ہو وہ دارالاسلام اور جہاں کفر کا غلبہ ہو وہ دارالکفر کہلاتا ہے لیکن فقہاء عموماً دونوں اصطلاحات کو مترادف الفاظ کے معنٰی میں ہی استعمال کرتے رہے ہیں۔

صاحبِ بدائع نے دارین کا معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دارین دو ہیں، ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالکفر ,لیکن اگلی ہی فصل میں دارین کے احکامات بیان کرتے ہوئے دارالکفر کی جگہ دارالحرب کی اصطلاح استعمال کی ہے(۶۲)

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دارالحرب اور دارالکفر مترادف الفاظ ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی لکھا ہے کہ دارالحرب کے معنٰی ''دارالاکفر'' کے ہیں، اور پھر اس دارالکفر کی دو قسمیں ہیں، ایک ''دارالامن'' اور دوسرے ''دارالخوف'' (۶۳) یہی تفصیل مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے ہاں بھی ہے۔(۶۴)

مولانا مودودیؒ نے دارالحرب اور دارالکفر میں فرق کیا ہے اور لکھا ہے کہ دارالاسلام کے مقابل دارالکفر ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے دارالکفر کی اصطلاح ہی استعمال کی ہے، کیونکہ دارالاسلام کا مقابل دارالکفر بمعنٰی علاقہ غیر ہی ہوسکتا ہے حرب اور غیرِ حرب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، جو ممالک اسلامی سلطنت سے صلح رکھتے ہوں وہ بھی دارالکفر ہیں ,لیکن اسلام کی ابتدائی صدیوں میں دارالاسلام سے ملاصق جتنے دارالکفر ہوتے تھے وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار بھی رہتے تھے اس لیے فقہاء نے دارالحرب ہی کی اصطلاح استعمال کی اور دارالکفر اور دارالحرب میں موجود باریک فرق کو نظر انداز کردیا۔(۶۵)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے ہاں دارالحرب اور دارالکفر کے فرق کا کوئی وجود نہیں ہے وہ ان دونوں الفاظ کو مترادف معنٰی میں لیتے ہیں۔ مولانا نے دلیل میں امام مالک کا قول بھی پیش کیا ہے کہ جب امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان جب دارالحرب جائے تو کیا اس کے اور حربی کے درمیان ربوٰ ہوگا؟ تو امام مالک نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ صلح ہے؟ سوال کرنے والے نے کہا کہ نہیں، اس پر امام مالک نے فرمایا کہ ربوی معاملات جائز ہیں۔(۶۶)

اس سے پتہ چلا کہ امام مالک کے ہاں دارالحرب اور دارالکفر کا کوئی فرق نہیں تھا، اگر ہوتا تو امام مالک معاہدہ صلح کے

بارے میں سوال نہ کرتے۔ نیز مولانا نے لکھا کہ آئمہ مجتھدین کے درمیان جہاں اختلاف کا ذکر ہوا ہے وہاں بھی حالت جنگ اور زمانہ صلح کا کوئی فرق نہیں کیا گیا، کیونکہ مسئلے کا مدار عصمت پر ہے، دیارِ کفر کی حالتِ جنگ وزمانہ صلح کے فرق پر نہیں ہے۔(۶۷)

فقہاء کی اس تقسیم کے بعد یہ بات مدّ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ تقسیم اس دور کی ہے جب مسلمان بہت کم دارالکفر میں رہا کرتے تھے اور جتنے بھی دارالکفر تھے عموماً مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہتے تھے، جبکہ آج یہ نوعیت یکسر مختلف ہے۔ آج مسلمان بکثرت دارالکفر میں تجارت وملازمت کے سلسلے میں رہائش پذیر ہیں، سفارتی تعلقات کی وجہ سے لڑائی وجنگ بھی نہیں ہے، بلکہ جمہوری حکومتوں کی وجہ سے مسلمان دارالکفر کی حکومتوں کا حصہ بھی ہیں اور ان ممالک کی معیشت میں اپنا کردار بھی ادا کررہے ہیں۔ لہذا ''دار'' کی نئی تقسیم کی ضرورت ہے اور اس نئی تقسیم پر متفرع ہونے والے احکامات کی تعیین بھی ضروری ہے۔

بعض فقہاء ''دارالحرب'' کی جگہ ''دارالکفر'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں اور دونوں کو مترادف الفاظ شمار کرتے ہیں، جبکہ بعض فقہاء نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے انہیں مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس فرق سے کوئی حکم متفرع نہیں ہوتا۔

دارالکفر کی تعریف:

دارالکفر وہ ملک ہے جس کا اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہو، کفر اور شرک کے احکام جاری ہوں، مسلمانوں کو امن اور شعائر اسلام کی آزادی نہ ہو، مسلمانوں کو مطلقاً خوف اور کافروں کو مطلقاً امن حاصل ہو۔ اکثر فقہاء کے ہاں دارالکفر اور دارالحرب میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے دارالحرب کی تعریف ہی دارالکفر کی ہے۔

دارالکفر کی اقسام:

دارالکفر کی چار قسمیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔

۱۔ دارالمحاربہ: دارالکفر کا وہ ملک جو حکومتِ اسلامیہ سے برسرپیکار ہو۔ یہ دارالکفر کی سب سے شدید قسم ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ فقہاء نے اسی کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کی ترغیب کی خاطر تمام اقسام کا نام دارالحرب رکھ دیا ہو۔ نیز یہ کہ یہ تقسیم شخصی حکومتوں کے اعتبار سے ہے۔ موجودہ دور میں جمہوری حکومتوں کے تحت مزید تفصیل وتقسیم کرنا پڑے گی۔ اگر مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے قوانین یکساں ہوں تو پھر تو پورے ملک کا ایک حکم ہوگا وگرنہ صوبائی حکومت اگر علیحدہ قوانین رکھتی ہے تو اس کا حکم مرکزی حکومت سے مختلف ہوسکتا ہے۔(۶۸)

۲۔ دارالمعاہدہ والمسالمہ: وہ ملک جس کا دارالاسلام سے امن وامان کے ساتھ رہنے اور قتال نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اسے ''دارالموادعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

''الموادعة و هى المعاهدة و الصلح على ترک القتال'' (۶۹)

"وہ ملک جس نے دارالاسلام سے صلح کے ساتھ رہنے اور قتال نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہو"۔

امام المسلمین کو اہل حرب سے صلح کا معاہدہ کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ اسلام امن کا خواہاں ہے اور بلا وجہ جنگ اور قتال نہیں چاہتا۔ جب امام المسلمین دیکھے کہ اہل حرب یا اہل حرب میں سے کسی فریق سے معاہدہ امن و صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے تو اس کو ایسا کرنا چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"و اذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم و كان فى ذالک مصلحة للمسلمين فلا بأس به" (۷۰)

"جب امام المسلمین دیکھے کہ اہل حرب یا اہل حرب میں سے کسی فریق سے معاہدہ امن و صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے تو اس کو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

۳۔ دارالامن: جن فقہاء نے دارالامن کو دارالکفر کی ایک قسم لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ملک جہاں مسلمان کو اقتدار حاصل نہ ہو، مسلمان وہاں امن و سلامتی کے ساتھ رہتے ہوں، وہاں کے سیاسی اور غیر سیاسی کاموں میں حصہ لیتے ہوں، اس ملک کو اپنا وطن سمجھتے ہوں، اس ملک کی حفاظت اور ترقی کو اپنا فرض سمجھتے ہوں، اس کے لیے ایثار اور قربانی بھی دیتے ہوں، ایک شہری کی حیثیت سے اقتدارِ اعلیٰ میں حصہ لیتے ہوں، مگر احکامِ اسلام جاری نہ کر سکتے ہوں جرم و سزا اور اقتصادی مسائل وغیرہ میں احکامِ اسلام کو قانون نہ بنا سکتے ہوں، بلکہ اسی ملک کے قوانین کے پابند ہوں تو وہ ملک دارالحرب ہے اسے دارالاسلام نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن پر امن اور محفوظ ملک ہونے کی وجہ سے اس کے لیے "دارالحرب" کا لفظ غیر مانوس سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کو "دارالامن" کہہ دیا جاتا ہے۔ (۷۱)

۴۔ دارالشر والفساد: وہ دارالکفر جہاں مسلمان مامون و محفوظ نہ رہتے ہوں۔ ایسے دار سے جہاد کرنا بھی واجب ہے اور وہاں سے ہجرت کرنا بھی واجب ہے۔ اگر جہاد اور ہجرت کی استطاعت نہ ہو یا مقام ہجرت میسر نہ ہو تو وہیں رہ کر انابت الی اللہ کو جاری رکھا جائے۔ فتح مکہ سے پہلے مکہ دارالشر والفساد تھا۔ (۷۲)

یہاں پہلی دونوں قسمیں دارالاسلام کے ساتھ باہم قسیم و متضاد ہیں جبکہ آخری دونوں قسمیں دارالکفر کے اندرونی حالات کے لحاظ سے ہیں اور یہ دونوں آپس میں مقابل و قسیم ہیں۔ اسی لیے یہ ہو سکتا ہے کہ مقدم الذکر دونوں قسموں میں کسی کے ساتھ مؤخر الذکر دونوں قسموں میں سے کسی کا اجتماع ہو جائے۔ مثلاً ایک دارالکفر، دارالمحاربہ بھی ہے اور دارالشر والفساد بھی ہے۔ یا ایک ملک دارالمحاربہ ہے مگر دارالامن بھی ہے۔ (۷۳)

وجہ حصر:

دارالکفر کی مذکورہ بالا اقسام کی وجہ حصر یہ ہے کہ دارالاسلام کا محاربہ دارالکفر سے ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو اس کا نام "دارالمحاربہ" ہے، اور اگر محاربہ نہ ہوگا تو دو حال سے خالی نہیں، آپس میں ان دونوں داروں (دارالاسلام اور دارالکفر) اور ان

کی حکومتوں میں معاہدہ ومسالمہ ہوگا یا نہیں، اگر معاہدہ ومسالمہ ہوگا تو اس کو ''دارالمعاہدہ یا دارالمسالمہ'' کہیں گے اور اگر معاہدہ و مسالمہ نہ ہوگا تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس ملک کے مسلم باشندے اور اس ملک میں داخل ہونے والے مسلمان مامون و محفوظ رہتے ہوں گے یا مامون ومحفوظ نہ رہتے ہوں گے، اگر مامون ومحفوظ رہتے ہوں تو اس ملک کو ''دارالامن'' کہا جائے گا اور اگر اس ملک کے مسلم باشندے اور اس ملک میں داخل ہونے والے مسلمان مامون ومحفوظ نہ رہتے ہوں تو اس ملک کو ''دارالشر و الفساد'' کہا جائے گا۔(۷۴)

حضرت تھانوی نے لکھا ہے کہ دارالحرب یا دار غیر الاسلام کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔دارلامن: وہ ہے جہاں مسلمان امن سے ہوں۔ ۲۔دارالخوف: وہ ہے جہاں مسلمان خائف ہوں۔(۷۵)

یہی تفصیل محمد حسن فیضی کے ہاں بھی ہے تاہم انہوں نے ''دارالخوف'' کی جگہ ''دارالفرار'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، اور اس سے مراد وہ جگہ جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہو۔(۷۶)

مولانا محمد زید دارالکفر کی اقسام میں دارالامن اور دارالخوف کے درمیان ایک تیسری قسم ''دار بین الامن والخوف'' بھی شمار کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ ایسا دار جہاں امن بھی ہو اور خوف بھی ہو، کسی علاقہ میں امن اور کسی علاقہ میں خوف، کسی زمانہ میں امن وامان اور عنقریب زمانہ میں فساد وطغیان، قہر وغلبہ نہ مسلمانوں کا نہ غیر مسلموں کا، کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور کبھی وہ غالب یہ مغلوب، تسلّط پورے طور پر نہ اِن کا نہ اُن کا، ایسے دار کو ''دار بین الامن والخوف'' کہیں گے۔(۷۷) دار کی اس قسم پر ''دارالحرب'' کا اطلاق ہوتا ہے۔(۷۸)

دارالکفر کے احکام:

حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک دارالشر والفساد سے جہاد کرنا واجب ہے اور وہاں سے ہجرت کرنا بھی واجب ہے۔ اگر جہاد اور ہجرت کی استطاعت نہ ہو یا مقام ہجرت میسر نہ ہو تو وہیں رہ کر انابت الی اللہ کو جاری رکھا جائے۔(۷۹)

مفتی نظام الدینؒ نے لکھا ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک دارالکفر ایک دارالاسلام کے لیے دارالمحاربہ ہو اور دوسرے دارالاسلام کے لیے دارالمعاہدہ والمسالمہ ہو۔ یہ صورت اس وقت پہلی مرتبہ پیش آئی تھی جب دو یا دو سے زیادہ دارالاسلام قائم ہوئے تھے۔(۸۰)

نیز یہ کہ اگر حکومتی حدود وقوانین اور عوامی حالات میں فرق ہو مثلاً یہ کہ حکومت کا قانون مسلمانوں کی حفاظت کا ہے مگر عوامی سطح پر مسلمانوں کے لیے فتنے اور فساد برپا رہتے ہیں تو چونکہ شریعت عام ظاہری حالات کا اعتبار کرتی ہے اس لیے عوامی سطح کے حالات کے مطابق حکم ہوگا۔(۸۱)

البتہ مولانا عتیق احمد بستوی کا کہنا ہے کہ جس ملک میں مسلمان امن وسلامتی سے نہ رہتے ہوں وہ ملک بھی دارالحرب ہی ہونا چاہیے۔(۸۲)

اس تمام بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ دارالحرب اپنے اصل حکم کے اعتبار سے صرف وہی ممالک ہیں جہاں یا تو مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے یا پھر جو ممالک براہِ راست مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں۔

دارالکفر کے دارالاسلام بننے کی شرائط:

دارالکفر دارالاسلام کب بنتا ہے؟ اس میں آئمہ کرام کا اتفاق ہے کہ دارالکفر میں احکام اسلام کے ظہور سے وہ دار ''دارالاسلام'' بن جاتا ہے۔

''لا خلاف بين اصحابنا فی ان دارالکفر تصير دارالاسلام بظهور احکام الاسلام فيها'' (۸۳)

''ہمارے اصحاب کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ دارالکفر احکامِ اسلام کے ظہور سے دارالاسلام بن جاتا ہے''۔

احکام اسلام سے کس نوع کے احکام مراد ہیں؟ اور احکامِ اسلام کے اجراء کی علامت کیا ہے؟ اس کی وضاحت درمختار کی اس عبارت سے ہوتی ہے، کہ جمعہ وعیدین وغیرہ کی اجازت اور ادائیگی گویا احکامِ اسلام کا اجراء ہے۔

''و دارالحرب تصير دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فيها کجمعة و عيد'' (۸۴)

علامہ ابن عابدینؒ اسی عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''قلت: و بهذا ظهر ان ما فی الشام من جبل تيم الله المسمىٰ بجبل الدروزو بعض البلاد التابعة کلها دارالاسلام ، لانها و ان کانت لها حکام دروز او نصاری ، و لهم قضاة وعلى دينهم و بعضهم يعلنون بشتم الاسلام و المسلمين لکنهم تحت حکم ولاة امورنا و بلاد الاسلام محيطة ببلادهم من کل جانب و اذا اراد ولی الامرتنفذ احکامنا فيهم نفذها'' (۸۵)

''میں نے کہا: اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ملک شام میں جبل تیم اللہ جو جبل الدروز کے نام سے مشہور ہے اور اس سے متعلقہ بعض شہر سب کے سب دارالاسلام ہیں، اس لیے کہ اگر چہ ان کے حکام دروز یا نصاری ہیں اور ان میں سے بعض اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا بھی کہتے ہیں لیکن وہ ہمارے امراء کے تحت ہیں اور چاروں طرف سے بلادِ اسلامیہ نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے اور مسلم حکام جب چاہیں وہاں احکام اسلام نافذ کر دیں تو ایسے ملک کو دارالاسلام ہی کہا جائے گا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے حتی الامکان کسی بھی خطہ ارض کو دارالکفر قرار دینے سے بچنا چاہیے، اور کوشش ہونی چاہیے کہ جب تک اسلام کے متعلقات میں سے کوئی چیز باقی ہے جانبِ اسلام ہی کو ترجیح دی جائے۔ جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

''دارالاسلام چونکہ احکامِ اسلام کے جاری ہونے کی وجہ سے دارالاسلام ہوا ہے اس لیے جب تک اسلام کے متعلقات میں سے کوئی چیز باقی رہے گی جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ حکم جب کسی علت سے ثابت ہوتا ہے

توجب تک کچھ بھی علت باقی رہتی ہے وہ شئی بھی باقی رہتی ہے''۔(۸۶)

درالمختار کی عبارت'' باجراء احکام اهل الاسلام فیها'' پر فقہاء نے کلام کیا ہے۔علامہ محمد حسن فیضی کا کہنا ہے کہ محض عبادات کی ادائیگی سے مسلمانوں کا غلبہ، تسلط اور قہر متصور نہیں ہوتا، کیونکہ دارالاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کے حاکم کا فرمان جاری ہو اور مسلمانوں کو پورے طور پر غلبہ اور تسلط حاصل ہو۔ نیز علامہ صاحب کا کہنا ہے کہ اگر اجرائے احکامِ اسلام سے مطلقاً عبادات مراد لی جائیں، تو بعض احکامِ اسلام سے عبادات میں سے ایک مطلق عبادت بھی مراد ہو سکے گی، اس عبادت کا حاصل یہ ہوگا کہ جس ملک میں عباداتِ اسلامیہ میں سے ایک عبادت بھی ادا کی جاسکتی ہو وہ ملک بالاتفاق ''دارالاسلام' ہونا چاہیے، جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ (۸۷)

اکثر فقہاء کے نزدیک احکامِ اسلام کا ظہور من کل الوجوہ ہونا چاہیے یعنی صرف نماز، روزہ، جمعہ، عیدین وغیرہ ہی احکامِ اسلام نہیں بلکہ حدود وقصاص اور نظامِ عدل کا اجراء بھی ضروری ہے۔ ادائے فرض کی اجازت ہونا اور چیز ہے اور احکامِ اسلام کے اجراء کا اختیار واقتدار اور چیز ہے۔(۸۸) بلکہ حضرت گنگوہیؒ نے لکھا کہ دارالکفر پر غلبہ وتسلط اور احکامِ اسلام کا اجراء علی الاعلان ہونا چاہیے، اگر احکامِ اسلام کا اجراء محض بطریق اظہار ہو یعنی مسلمان محض نماز، روزہ، جمعہ وعیدین ادا کرتے ہوں اور کفار حاکم کی رضامندی سے کرتے ہوں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔(۸۹)

''اظہار' میں غلبہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّه﴾(۹۰)''تاکہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے''۔

آیتِ کریمہ میں صرف اظہار مقصود نہیں بلکہ غلبہ مقصود ہے۔

ذمی کو دارالاسلام میں مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے، اگر صرف مذہبی آزادی کسی ملک میں تبدیلی کا ذریعہ بن جائے تو شاید ہی کوئی ملک دارالحرب ہو، کیونکہ ہر ملک میں مسلمانون کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔(۹۱)

لہٰذا احکامِ اسلام کا ظہور من کل الوجوہ ہونا چاہیے، تب دارالکفر دارالاسلام بنے گا۔

دارالاسلام کے دارالکفر بننے کی شرائط:

دارالاسلام، دارالکفر کب بنتا ہے؟ اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین شرطوں سے دارالاسلام دارالکفر بن جاتا ہے۔

۱۔ اس ملک میں کفار کے احکام کا برملا اظہار واجراء ہونے لگے اور احکامِ اسلام میں سے کوئی حکم اس میں باقی نہ رہے۔

۲۔ دارالاسلام کا دارالکفر سے اس طرح اتصال ہو کہ دونوں کے درمیان دارالاسلام کا کوئی شہر حائل نہ ہو۔

۳۔ اس ملک میں کسی مسلمان یا ذمّی کو امان اوّل حاصل نہ رہے جو استیلاء کفار سے پہلے مسلمان کو اسلام کی وجہ سے اور ذمّی کو عقد ذمّہ کی وجہ سے حاصل تھا۔(۹۲)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دار کی اسلام اور کفر کے ساتھ اضافت سے مقصود خود اسلام اور کفر نہیں ہے، بلکہ مقصود امن اور خوف ہے۔ اگر مسلمانوں کو وہاں مطلقاً امن حاصل ہے اور کافروں کو مطلقاً خوف تو وہ دارالاسلام ہے، اور اگر کفار کو وہاں مطلقاً امان حاصل ہو اور مسلمانوں کو مطلقاً خوف ہو تو وہ دارالکفر ہے۔ احکام امن اور خوف پر ہیں نہ کہ اسلام اور کفر پر۔ لہٰذا امن اور خوف کا اعتبار کرنا اولیٰ ہے۔(۹۳)

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دارالکفر بننے کے لیے صرف احکام کفر کا غلبہ کافی ہے۔(۹۴)

احکامِ کفر کے غلبے سے مراد اجرائے احکامِ کفر ہے، یعنی رعایا کے بندوبست، امن وامان کے قیام، چور ڈکیتیوں کی روک تھام، لڑائی جھگڑے کے فیصلے، جرائم کی سزا، مقدمہ ملک داری اور وصولی واجبات وغیرہ میں کفار اپنے طور پر حاکم ہو جائیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کہنا ''دار'' کی اسلام اور کفر کے ساتھ اضافت قائم کرنا ہے اور یہ اضافت اس لیے قائم کی جاتی ہے کہ وہاں اسلام یا کفر کے احکام ظاہر ہوئے ہیں جیسے جنت کو ''دار السلام'' (سلامتی کی جگہ) اور دوزخ کو ''دار البوار'' (ہلاکت کی جگہ) کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کہ جنت میں ''سلامتی'' اور دوزخ میں ''ہلاکت'' ہے۔(۹۵)

صاحبین کے نقطہ نظر کے مطابق احکام کفر کے اجراء وظہور کا مطلب یہ ہے کہ کلیۃً احکام کفر ہی نافذ ہوں، اگر احکامِ اسلام بھی نافذ ہوں اور احکام کفر بھی، تو پھر اسے دارالکفر نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ صاحبِ ردالمحتار لکھتے ہیں کہ اگر کسی ملک میں احکام اسلام کے ساتھ احکامِ شرک بھی جاری ہوں تو اسے دارالکفر نہیں کہا جاسکتا۔

''لو اجریت احکام المسلمین ، و احکام اهل الشرک لاتکون دارالحرب'' (۹۶)

''کسی ملک میں احکامِ اسلام کے ساتھ احکامِ شرک بھی جاری ہوں تو اسے دارالحرب نہیں کہا جائے گا''۔

دارالاسلام کے دارالکفر بننے کی شرائط میں آئمہ کا اختلاف:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار صرف اسلام یا کفر کے غلبہ پر ہے، اور ایسی جگہ جہاں بعض حیثیات سے اسلام اور بعض حیثیات سے کفر کا غلبہ ہو یعنی دارالاسلام میں کفار یا دارالحرب میں مسلمان بلاغلبہ وقہر آباد ہوں تو اسے بھی دارالاسلام ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''عن عائذ بن عمرو المزنی ،عن النبی ﷺ انه قال: الاسلام یعلوا و لا یعلیٰ'' (۹۷)

''عائذ بن عمرو المزنی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا''۔

اختلاف اس بات پر ہے کہ غلبہ اسلام کے بالکل زائل ہو جانے کی حد اور علامت کیا ہے؟ صاحبین نے یہ فرمایا کہ جب احکامِ کفر علی الاعلان جاری ہو گئے اور اسلام کے احکام مغلوب ہو گئے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کا غلبہ ختم ہو گیا۔ لیکن امام صاحبؒ نے نظر دقیق کے بطور استحسان یہ فرمایا کہ جب تک غلبہ اسلام کے آثار میں سے کوئی چیز باقی رہے یا

استیلاء کفار میں ایسا ضعف محسوس ہو کہ مسلمانوں پر اس کا زائل کر دینا مشکل نہیں ہے، اس وقت تک اس ملک پر دارالکفر کا حکم نہیں لگانا چاہیے۔ اسی وجہ سے امام صاحبؒ نے دو شرطیں زائد فرمائی ہیں، ایک یہ کہ جس دارالاسلام پر کفار نے تسلط کیا ہے وہ دارالحرب کے ساتھ متصل ہو، اس کے اور دارالحرب کے درمیان دارالاسلام کا کوئی ملک یا شہر حائل نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ حاکم اسلام نے جو امان مسلمانوں کو بسبب اسلام کے اور کفار رعایا کو بسبب ذمی کے دے رکھا تھا وہ امان زائل ہو جائے کہ کوئی شخص اس سابقہ امان کی وجہ سے اپنے جان و مال پر مامون نہ رہے۔

علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آئمہ کرام کا یہ اختلاف دراصل اساسی اور بنیادی نہیں ہے، بلکہ تینوں حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ دار کہ تبدیلی کا اصل مدار قہر و قوت اور غلبہ و تسلط کی تبدیلی ہے۔ اب اس کے بعد حضرات صاحبین احکامِ اسلامی یا احکامِ کفر کے اجراء کو قوت و شوکت اور غلبہ و تسلط کی تبدیلی کی دلیل تسلیم کرتے ہیں، مگر امام صاحبؒ اس تبدیلی کو قہر تام اور محکم و پائیدار غلبہ و تسلط پر موقوف رکھتے ہیں، ان کے نزدیک ان تین شرطوں کے بغیر غلبہ و تسلط میں تمامیت ممکن نہیں ہے، اس لیے محض اجرائے احکامِ اسلام یا احکامِ کفر سے دار کی تبدیلی کے امام صاحبؒ قائل نہیں ہیں۔

" فكل موضع ظهر فيه احكام الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين، فكانت دار الحرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الاسلام فالقوة فيه للمسلمين و لكن ابو حنيفةؒ يعتبر تمام القهر و القوة ، لان هذه البلدة كانت من دار الاسلام محرزة للمسلمين فلا يبطل ذلك الاحراز الا بتمام القهر من المشركين و ذلك باستجماع الشرائط الثلاث، لانها اذا لم يكن متصلة فاهلها مقهورة باحاطة المسلمين" (۹۸)

حضرت گنگوہیؒ امام صاحب اور صاحبین کی شرائط میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ کی ان دو شرطوں کا خلاصہ وہی غلبہ کفار اور مغلوبیت اسلام ہے، جس کا ذکر صاحبین نے اپنی شرط میں کیا ہے۔ امام صاحب اور صاحبین کا مقصود ایک ہی چیز ہے یعنی مسلمانوں کے غلبہ و قوت کا وجود اگرچہ بعض وجوہ سے ہو، اس کے دارالکفر بننے سے مانع ہے۔ لیکن علمائے اسلام میں کوئی شخص بھی اس کا قائل نہیں کہ کفار کے ملک میں اگر کوئی شخص ان کی صریح اجازت سے یا ان کی چشم پوشی کی وجہ سے شعائر اسلام کا اظہار کرے تو یہ ملک دارالاسلام ہو جائے گا۔ حاشا و کلا۔ کیونکہ ایسا خیال بالکل تفقہ سے دور ہے۔ (۹۹) نیز یہ کہ امام صاحب کا قول احتیاط پر ہے اور امام صاحب کا دو قیدیں زائد لگانا اس وجہ سے ہے کہ غلبہ کا تمام ہونا ان پر موقوف ہے۔ (۱۰۰)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے شرائط کا یہ اختلاف ''اختلافِ برہان'' کی بجائے ''تغیرِ زمان'' کا نتیجہ ہو، اس کا اندازہ امام صاحبؒ کی اس شرط سے ہوتا ہے کہ ''دارالحرب'' ہونے کے لیے ضروری ہوگا کہ ''دارالاسلام'' سے اس کا اتصال نہ ہو۔ گویا امام صاحب عہد میں مملکت اسلامی کی دفاعی بالادستی اور عسکری قوت کے تحت یہ بات ناقابل تصور تھی کہ ایک مملکت کا فرہ

جومملکت اسلامیہ کے پڑوس میں ہے، خودسری کا ثبوت دے۔اس لیے وہ ایسی غیر اسلامی مملکتوں کوبھی دارالحرب کے زمرے میں نہیں رکھتے۔جبکہ صاحبین کے زمانے میں خلافت اسلامیہ کی یہ پوزیشن باقی نہ رہی ہوگی، یا ایسے آثار پیدا ہوگئے ہوں گے جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہوں کہ آئندہ یہ صورت حال باقی نہ رہے گی، اس لیے انہوں نے احکامِ اسلامی اوراحکامِ کفر کے اجراء وغلبہ کوہی بنیاد بنادیا۔(۱۰۱)

اس وقت دنیا میں حکومتوں کا جونظام رائج ہےاس کے تحت مذکورہ شرطوں اوران کے ظاہر پرکسی حکم کی بنیاد رکھنا محل تامل ہے۔دنیا کے بیشتر ملکوں میں جمہوریت رائج ہے۔مسلم ممالک میں بھی قانون سازی کی بنیاد شریعت کے قانونی مصادر پر نہیں ہےاورغیر مسلم ممالک میں جومسلمان مقیم ہیں یا فائدہ اٹھارہے ہیں تو وہ ملک کے موجودہ نظام وانتظام کے تحت اس کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے، نہ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے۔کفار کے ملک میں اگرکوئی شخص ان کی صریح اجازت سے یاان کی چشم پوشی کی وجہ سے شعائرِ اسلام ادا کرے تواس سے وہ ملک دارالاسلام نہیں بن جائے گا۔

اس وقت دنیا میں دوسو بیالیس (۲۴۲) ممالک ہیں، جن میں مسلم ممالک کی تعداد باون (۵۲) اورغیر مسلم ممالک کی تعداد ایک سونوے (۱۹۰) ہے۔غیر مسلم ممالک میں چھ (۶) ملک ایسے ہیں جوایٹمی صلاحیت کے حامل ہیں۔غیر مسلم ممالک میں بعض ایسے ممالک ہیں جو برائے نام ہیں اورعملاً دنیا میں ان کا کردار نظرنہیں آتا، وہ آبادی اوررقبے کے اعتبار سے بہت چھوٹے ہیں۔اس کے علاوہ بعض ایسے ممالک بھی ہیں جوآبادی اوروسیع رقبے پرمحیط ہیں اوردنیا میں اپنا ایک اثرورسوخ رکھتے ہیں۔

مسلم ممالک:

مسلم ممالک کی تعداد باون (۵۲) ہے،جن میں پاکستان واحد ملک ہے جوایٹمی صلاحیت کا حامل ہے۔آبادی کے لحاظ سے انڈونیشیا اوررقبے کے لحاظ سے سوڈان سب سے بڑے مسلم ممالک ہیں۔مسلم ممالک یہ ہیں:

انڈونیشیا، پاکستان، نائیجیریا، بنگلہ دیش، مصر، ایران، ترکی، سوڈان، الجیریا، موروکو، عراق، افغانستان، ملائیشیا، ازبکستان، سعودی عرب، یمن، شام، قازقستان، نائیگر، برکینا فاسو، مالے، سینیگال، تنیسیا، گھانا، صومالیہ، آزربائیجان، تاجکستان، سیرالیون، لیبیا، جورڈن، متحدہ عرب امارات، کرغیزستان، ترکمانستان، چاڈ، لبنان، فلسطین، کویت، البانیا، موریطانیہ، عمان، کوسوو، گیمبیا، بحرین، کامروس، قطر، ویسٹرنشارع، جبوتی، برونائی دارالاسلام، مالدیپ، شمالی ترکی، مایوٹی، بوسنیا ہرزیگوینا۔(۱۰۲)

غیر مسلم ممالک:

غیر مسلم ممالک کی تعداد ایک سونوے (۱۹۰) ہےاوروہ دوطرح کے ہیں۔

۱۔حربی ممالک ۲۔غیر حربی ممالک

ا۔حربی ممالک:

وہ غیر مسلم ممالک جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، باوجود اس کے کہ مسلم ممالک کے ان کے ساتھ معاہدات وتجارتی روابط کا تسلسل بھی ہے اور ایک دوسرے کے ملکوں میں عوامی سطح پر آمد ورفت بھی ہے، پھر بھی یہ ممالک اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

ایسے ممالک کی رعایا کا مال مسلمانوں کے لیے مباح ہے، چاہے اس قوم کا کوئی فرد یا گروہ بالفعل مقاتل ہو یا نہ ہو۔ مسلمان ان کے تجارتی قافلوں کو گرفتار کر سکتے ہیں، ان کے افراد ہماری زد میں آئیں تو ہم انہیں پکڑ سکتے ہیں اور ان کے اموال پر قبضہ کر سکتے ہیں۔(۱۰۳)

ان ممالک کا ایک بین الاقوامی اتحاد بھی ہے۔

نیٹو ممالک:

نیٹوNATO(The North Atlantic Treaty Organization) ایک بین الاقوامی اتحاد ہے جو بر اعظم یورپ اور براعظم شمالی امریکہ کے اٹھائیس (۲۸) ممالک پر مشتمل ہے۔ یہ اتحاد ۴ اپریل ۱۹۹۴ء کو (The North Atlantic Treaty) کے نام سے وجود میں آیا۔ اس اتحاد کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی ملک ان ممالک میں سے کسی ملک پر حملہ کر دے تو یہ تمام ممبران پر حملہ متصور ہوگا اور دیگر تمام ممبران اس ملک کی اپنی فوج اور تمام وسائل کے ساتھ مدد بھی کریں گے۔

اٹھائیس ممبران میں سے دو ملک (کینیڈا، امریکہ) براعظم شمالی امریکہ کے ہیں، پچیس یورپی ملک ہیں، جبکہ ترکی بر اعظم ایشیا کا واحد ملک ہے۔ نیٹو کے ممبران میں تین ممالک فرانس، کینیڈا اور امریکہ جوہری صلاحیت کے حامل ہیں۔(۱۰۴)

۴ اپریل ۱۹۹۴ء کو جب یہ اتحاد وجود میں آیا تو اس کے ممبران کی تعداد بارہ تھی، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ممبران کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور آخری بار یکم اپریل ۲۰۰۹ء کو البانیا (Albania) اور کروئیٹیا (Croatia) اس کے ممبر بنے۔ نیٹو ممالک درج ذیل ہیں:

بیلجیم، کینیڈا، ڈینمارک، فرانس، آئس لینڈ، اٹلی لیکسمبرگ، ہالینڈ، ناروے، پرتگال، یونائیٹڈ کنگ ڈم، یونائیٹڈ اسٹیٹ، گریس، ترکی، جرمنی، اسپین، زچ ری پبلک، ہنگری، پولینڈ، بلغاریہ، ایسٹونیا، لیٹویا، لیتھونیا، رومانیہ، سلواکیہ، سلوینیا، البانیا، کروئیٹیا۔(۱۰۵)

درج بالا نیٹو ممبران کے علاوہ بیس ممالک ایسے ہیں جو نیٹو (NATO) کے مستقل ممبر تو نہیں تاہم نیٹو فورسز کی عملی حمایت اور تائید کرتے ہیں۔ ان ممالک نے اپنی فوج بھی نیٹو فورسز کے ساتھ طالبان کے خلاف لڑنے کے لیے بھیج رکھی ہے اور نیٹو

فورسز کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ان کو''Partners'' کہا جاتا ہے۔وہ ممالک یہ ہیں: آرمینیا، آسٹریا، آذر بائیجان، بیلرس، بوسنیا اینڈ ہرزیگوینا، فنلینڈ، میکڈونیا، جارجیا، آئر لینڈ، قازقستان، خیر گز ریپبلک، مالٹا، ریپبلک آف مولڈووا، مونٹگرو، روس، سربیا، سویڈن، سوئیزر لینڈ، یوکرائن، ازبکستان۔

درج ذیل آٹھ ممالک ایسے ہیں جو نیٹو (NATO) کے نہ مستقل ممبر ہیں اور نہ ہی ان ممالک نے اپنی فوج نیٹو فورسز کے ساتھ طالبان کے خلاف لڑنے کے لیے بھیج رکھی ہے تاہم نیٹو فورسز کی ضروریات اور ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے میں ان کا عملی کردار ہے۔ان کو''Partners accross the globe'' کہا جاتا ہے۔وہ ممالک یہ ہیں:

افغانستان، آسٹریلیا، عراق، جاپان، پاکستان، ری پبلک آف کوریا، نیوزی لینڈ، منگولیا۔(۱۰۶)

حربی ممالک کی اقسام:

حربی ممالک کی دو قسمیں ہیں: ۱۔محارب بالقوۃ ۲۔محارب بالفعل

۱۔محارب بالقوۃ:

وہ ممالک جو براہِ راست مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں ہیں اور برسرِ پیکار رہنے والے ممالک کی فوجوں میں ان کی افواج شامل بھی نہیں ہیں، تاہم برسرِ پیکار ممالک کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور ان کے اقدامات کی تائید کرتے ہیں۔مندرجہ بالا ممالک میں''Partners accross the globe'' کے ممالک'' محارب بالقوۃ''ہیں۔

۲۔محارب بالفعل:

وہ ممالک جو براہِ راست مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں، مندرجہ بالا ممالک میں''نیٹو ممالک''اور''Partners'' کے ممالک''محارب بالفعل''ہیں۔

۲۔غیر حربی ممالک:

وہ غیر مسلم ممالک جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار نہیں ہیں، خواہ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ صلح ہو یا نہ ہو۔ایسے ممالک کی رعایا کے اموال مسلمانوں کے لیے مباح نہیں ہیں۔مسلمان ان کے اموال کو لوٹ نہیں سکتے۔(۱۰۷)

دار الحرب کی تعیین:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے دار الحرب کی تعیین کے لیے موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ وہ غیر مسلم ممالک جو اسلام اور مسلمانوں کے معاند ہیں، مسلمانوں کو وہاں نہ مذہبی تشخص حاصل ہے اور نہ ہی اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں جیسے کیمونسٹ بلاک کے ممالک یا بلغاریہ وغیرہ

۲۔ وہ غیر مسلم ممالک جہاں مغربی طرز کی جمہوریت ہے، جن میں یا تو سلطنت کا کوئی مذہب نہیں اور تمام قومیں اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہیں جیسے ہندوستان، یا سلطنت کا ایک مذہب ہے لیکن دوسری مذہبی اقلیتیں اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہیں اور ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت ہے جیسے امریکہ برطانیہ وغیرہ (۱۰۸)

مولانا کے خیال میں پہلی نوع کے ممالک ''دارالحرب'' کے زمرے میں ہیں، باوجود اس کے کہ بعض کیمونسٹ ممالک میں مذہبی آزادی اور اظہارِ رائے کے حقوق میں نرمی پیدا کی گئی ہے لیکن پھر بھی وہ ''دارالحرب'' ہی کہلائیں گے۔ اس کے علاوہ باقی ممالک ''دارالامن'' میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ (۱۰۹)

اس بحث کو اس طرح سمیٹا جاسکتا ہے کہ اول الذکر ممالک ''دارالحرب'' ہیں، بقیہ غیر مسلم ممالک میں اگر مسلمانوں کو جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے اور شعائرِ اسلام کی آزادی ہے، تو وہ ''دارالامن'' قرار پائیں گے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان کو بھی دارالحرب کہا جائے گا۔ ایسے غیر مسلم ممالک جہاں قانوناً مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہے اور شعائرِ اسلام کی آزادی ہے، لیکن انتہا پسند غیر مسلم جماعتیں وگروہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو عدمِ تحفظ سے دوچار کرتے ہیں، تو یہ کفر اور اسلام کی کشمکش ہے جس کا ہونا فطری امر ہے۔ اگر مسلمانوں کا یہ عدمِ تحفظ اس غیر اسلامی حکومت کی نگرانی و سرپرستی میں ہے تو یہ ملک بھی دارالحرب کے زمرے میں آئے گا، اور اگر غیر اسلامی حکومت مسلمانوں کو عدمِ تحفظ سے دوچار نہیں کرتی، تو یہ ملک دارالامن ہی رہے گا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عینی، محمود بن احمد، البنایۃ فی شرح الھدایہ، بیروت، دار الفکر، طبع اولیٰ ۱۴۰۰ھ، کتاب السیر ،۶۳۲/۶

۲۔ کاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الفکر، طبع اولی ۱۴۱۷ھ، ۱۳۱/۷

۳۔ دہلوی، عبد العزیز، شاہ، فتاوی عزیزی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۸ھ، بحوالہ کافی ۱۶/۱

۴۔ قہستانی، شمس الدین محمد، جامع الرموز، باب الجہاد، لکھنو، مطبع نولکشور، س۔ن، ۵۳۹/۴

۵۔ محولہ بالا

۶۔ الشیبانی، محمد بن حسن، شرح السیر الکبیر (شارح سرخسی محمد بن احمد)، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۷ھ، ۸۱/۲

۷۔ ابنِ عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، س۔ن، ۱۷۵/۴

۸۔ سید محمد میاں، مولانا، ہندوستان میں عقودِ فاسدہ کا حکم، مشمولہ نظام الفتاوی، ۲۵۵/۱

۹۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، جدید فقہی مسائل، کراچی، زم زم پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ۴۶/۴

۱۰۔ النساء۴:۷۵ ۱۱۔ المائدہ۵:۴۷-۴۵

۱۲۔ الانفال۸:۶۰ ۱۳۔ التوبۃ۹:۱۲۳

۱۴۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ، ملتان، مکتبۃ شرکت علمیۃ، س۔ن، باب الجزیہ، ۵۹۷/۲؛ شرح السیر الکبیر ۲۵۹/۴

۱۵۔ الھدایہ، کتاب السیر، باب الجزیہ، ۵۹۷/۲؛ شرح السیر الکبیر ۲۵۹/۴

۱۶۔ الھدایۃ، باب المستامن، ۵۸۵/۲؛ الشیخ نظام الدین، الفتاوی الھندیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ، باب المستامن، فصل دوم

۱۷۔ اعظمی، نظام الدین، مفتی، نظام الفتاوی، لاہور، مکتبہ رحمانیۃ، ۱۴۲۰ھ، ۲۵۸/۱

۱۸۔ ظفر احمد عثمانی، غیر اسلامی ممالک میں سود وقمار وغیرہ کا حکم، معارف، اعظم گڑھ (انڈیا)، جولائی ۱۹۴۶ء، ص ۱۰

۱۹۔ جدید فقہی مسائل، ۴۸/۴ ۲۰۔ بدائع الصنائع، ۱۳۱/۷

۲۱۔ المرداوی، علاء الدین علی بن سلیمان بن احمد، الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، طبع اولیٰ ۱۴۱۸ھ، ۱۱۰/۴

۲۲۔ جامع الرموز، باب الجہاد، ۵۳۹/۴

۲۳۔ دہلوی، عبد العزیز، شاہ، فتاوی عزیزی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۸ھ بحوالہ کافی ۱۶/۱

۲۴۔ جامع الرموز، باب الجہاد، ۵۳۹/۴

۲۵۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ، ۳۹/۸

۲۶۔ گنگوہی، رشید احمد، مولانا، فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام، مشمولہ تالیفات رشیدیہ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۴۱۲ھ، ص ۶۵۶

۲۷۔ مجذوب، عزیز الحسن، خواجہ، حسن العزیز، ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ، س۔ن، ۱۲۷/۳ ۲۸۔ محولہ بالا

۲۹۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، سود، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۲۴۵ ۳۰۔ جدید فقہی مسائل، ۴۶/۴

۳۱۔ امینی، محمد تقی، مولانا، اسلام اور جدید دور کے مسائل، کراچی، قدیمی کتب خانہ، س۔ن، ص ۱۸۶

۷۳۔ مسائل ربا، مشمولہ جدید فقہی مباحث (مرتب) مجاہد الاسلام قاسمی، کراچی، ادارۃ القرآن، س۔ن، ۲/ ۳۸۸؛ نظام الفتاویٰ، ۱/ ۲۶۳۔۲۶۵
۷۴۔ نظام الفتاویٰ، ۱/ ۲۶۳۔۲۶۵
۷۵۔ حسن العزیز، ۳/ ۱۲۷
۷۶۔ فیضی، محمد حسن، روض الرُبی فی حقیقۃ الربوا، راولپنڈی، ۱۳۱۵ھ، ص ۹
۷۷۔ محمد زید، مولانا، ربا کی شرعی حقیقت، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۴۸۱
۷۸۔ ایضا، ۲/ ۴۸۴
۷۹۔ مسائل ربا، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۳۸۴
۸۰۔ نظام الفتاویٰ، ۱/ ۲۶۶۔۲۶۷
۸۱۔ ایضاً، ۱/ ۲۶۸
۸۲۔ بستوی، عتیق احمد، مولانا، غیر مسلم ممالک میں مسلمان، بحث ونظر، جنوری مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۲۶
۸۳۔ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۳۰
۸۴۔ ردالمحتار، باب المستامن، ۴/ ۱۷۵
۸۵۔ محولہ بالا
۸۶۔ لکھنوی، عبدالحی، مجموعۃ الفتاوی، (مترجم، مفتی محمد برکت اللّٰہ لکھنوی) کراچی، ایچ ایم سعید، س۔ن، لکتاب العلم والعلماء، ۱/ ۱۲۴
۸۷۔ روض الرُبی فی حقیقۃ الربوا، ص ۱۴
۸۸۔ نظام الفتاویٰ، ۱/ ۲۶۱؛ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۳۷۱
۸۹۔ تالیفات رشیدیہ، ص ۶۶۵
۹۰۔ الصّف ۶۱: ۹
۹۱۔ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۳۷۱
۹۲۔ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۳۰؛ ردالمحتار، باب المستامن، ۴/ ۱۷۵
۹۳۔ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۳۱
۹۴۔ ایضاً، ۷/ ۱۳۰
۹۵۔ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۳۱
۹۶۔ ردالمحتار، باب المستامن، ۴/ ۱۷۵
۹۷۔ دارقطنی، علی بن عمر، السنن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۳ھ، کتاب ۱ ۰ ح، ۳/ ۲۵۲؛ بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ، رقم الحدیث، قبل ۱۳۵۴
۹۸۔ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہیل، المبسوط، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۴۰۹ھ، ۱۰/ ۱۱۴
۹۹۔ ملخص تالیفات رشیدیہ، ص ۶۵۶ تا ۶۶۷
۱۰۰۔ تھانوی، اشرف علی، تحذیر الاخوان عن الربوٰ فی الہندوستان، اشرف المطابع، تھانہ بھون، س، ن، ص ۱۶
۱۰۱۔ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۲۲۰
۱۰۲۔ نوناری، عارف، سید، دنیا کے ملکوں کا تعارف، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۶ء، ص ۷۔۲۴۹
۱۰۳۔ مولانا مودودی کے مولانا گیلانی کے مضمون پر حواشی: سود، ص ۲۴۱
۱۰۴۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Members_States_of_NATO
۱۰۵۔ محولہ بالا
۱۰۶۔ http://www.nato.int/cps/en/natolive/51288.htm
۱۰۷۔ مولانا مودودی کے مولانا گیلانی کے مضمون پر حواشی: سود، ص ۲۴۲
۱۰۸۔ جدید فقہی مسائل، ۴/ ۵۲۔۵۱
۱۰۹۔ محولہ بالا

۳۲۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۰۲؛ شرح السیر الکبیر، ۴/۲۸۴
۳۳۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۳۱
۳۴۔ الھدایہ، کتاب ا ۰ ح، باب نکاح اھل الشرک، ۲/۳۴۷
۳۵۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۳۲
۳۶۔ الھدایہ، باب المستامن، ۲/۵۸۴
۳۷۔ الاصبحی، مالک بن انس (بروایۃ سحنون)، المدونۃ الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ، ۳/۲۹۴
۳۸۔ الفتاوی الہندیۃ، ۲/۲۵۷
۳۹۔ محولہ بالا
۴۰۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۰۲؛ شرح السیر الکبیر، ۱/۱۴۳
۴۱۔ غیر اسلامی ممالک میں سود وقمار وغیرہ کا حکم، معارف، جولائی ۱۹۴۶ء، ص ۱۰
۴۲۔ ابن حزم، احمد بن سعید، المحلی، بیروت، دار الجیل، س۔ن، ۷/۳۰۰
۴۳۔ جدید فقہی مسائل، ۴/۴۷۔۴۶
۴۴۔ ایضاً، ۴/۵۱
۴۵۔ اعظمی، نظام الدین، مفتی، نظام الفتاوی، لاہور، مکتبہ رحمانیۃ، ۱/۲۶۱
۴۶۔ البیجوری، حاشیۃ الشیخ ابراہیم البیجوری، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۰ھ، ۲/۴۷۱
۴۷۔ الشربینی، شمس الدین، مغنی المحتاج، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۱۸ھ، کتاب البغاۃ ۴/۱۵۹
۴۸۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۰۸
۴۹۔ الھدایہ، کتاب السیر، باب الموادعۃ ومن یجوز امانہ، ۲/۵۶۳
۵۰۔ عمری، جلال الدین، مولانا، فقہی مباحث، کراچی، ادارہ معارفِ اسلامی، ۱۴۳۲ھ، ص ۴۰
۵۱۔ شرح السیر الکبیر، ۱/۱۴۳
۵۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۶ھ، مادہ ''ذمم''، ۵/۶۱
۵۳۔ نظام الفتاوی، ۱/۲۶۹
۵۴۔ الھدایہ، کتاب السیر، باب المستامن، ۲/۵۸۴
۵۵۔ رد المحتار، باب المستامن، ۴/۱۷۵
۵۶۔ ابن ہمام، کمال الدین، فتح القدیر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ، کتاب البیوع، باب الربا، ۷/۳۷
۵۷۔ عبد الواحد، مفتی، مسائل بہشتی زیور، لاہور، مکتبۃ الحسن، ۲۰۰۹ء، ۲/۲۶۵
۵۸۔ نظام الفتاوی، ۱/۲۶۹
۵۹۔ تھانوی، اشرف علی، امداد الفتاوی، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۴۲۵ھ، ۳/۱۵۷
۶۰۔ مسائل بہشتی زیور، ۲/۲۴۲
۶۱۔ سود، ص ۳۱۵۔۳۲۳
۶۲۔ بدائع الصنائع ۷/۱۳۰۔۱۳۱
۶۳۔ حسن العزیز، ۳/۱۲۷
۶۴۔ احمد رضا، بجنوری، (مرتب) ملفوظات محدث کشمیری، ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ، س۔ن، ص ۱۵۷۔۱۶۰
۶۵۔ سود، ص ۳۱۲
۶۶۔ المدونۃ الکبری، ۳/۲۹۸
۶۷۔ ملفوظات محدث کشمیری، ص ۱۵۷۔۱۶۰
۶۸۔ نظام الفتاوی، ۱/۲۶۷۔۲۶۸
۶۹۔ بدائع الصنائع، ۷/۱۰۸
۷۰۔ الھدایہ، کتاب السیر، باب الموادعۃ ومن یجوز امانہ، ۲/۵۶۳
۷۱۔ نظام الفتاوی، ۱/۲۵۷۔۲۵۶
۷۲۔ ایضاً، ۱/۲۶۳۔۲۶۵